مولانا محمد جعفر پھلواروی

اسلام میں جبر نہیں

جب کوئی غیر مسلم یہ کہتا ہے کہ: "اسلام بزور شمشیر پھیلا" تو اس الزام کی تردید میں ہم قرآن حکیم کی واضح آیت پیش کرتے ہیں:

لا اکراہ فی الدین

دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

اور یہ آیت اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ اسلام اشاعتِ دین میں جبر کرنے کا قائل نہیں ہے بلکہ خوش دلی کے ساتھ دین کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جنگ وجدال سے متعلق احکام کافی تفصیل سے موجود ہیں۔ قرآن ایمان والوں کو بار بار جنگ و قتال پر ابھارتا ہے اور اسے جہاد فی سبیل اللہ قرار دیتا ہے اور اس سے گریز کرنے والوں کو طرح طرح کی وعیدیں سناتا ہے۔ جہاد کے بڑے فضائل بیان کرتا ہے اور مجاہدین کے لیے دونوں جہان کی نعمتوں کی خوش خبری سناتا ہے اسی لیے میدان جہاد سے زندہ واپس آنے والوں کو غازی اور مرنے والوں کو شہید کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی تاریخ جنگوں کے ذکر سے بھری پڑی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ غیر مسلموں سے یہ جنگیں کس لیے لڑی گئیں؟ اگر محض لوٹ مار یا ملک گیری مقصود تھی تو یہ خود اسلام کے خلاف ہے اور اگر دین کے لیے یہ جنگیں لڑی گئیں تو دین میں جبر و زبردستی کا الزام عائد ہوتا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کسی مذہب پر یقین رکھنے کا تعلق سراسر دل سے ہے اور دل سے کوئی بات زبردستی منوانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کسی خوف، دھمکی اذیت یا جبر و زبردستی کا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرکے سبز کو سرخ کہلوایا جاسکتا ہے، لیکن دل اسے کبھی سرخ نہیں مان سکتا۔ اگر کسی سے زبردستی اقرار اسلام کرالیا جائے اور اس کا دل کفر سے

والبستہ رہے تو یہ اسلام نہیں بلکہ منافقت ہوگی جو اسلام کی ضد ہے۔ اسلام کے تو معنی ہی یہیں خوش دلی کے ساتھ گردنِ اطاعت خم کر دینا۔ چونکہ دل کا حال خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، اس لیے اسلام کی نظروں میں وہی اسلام قابلِ قبول ہے جو کسی دباؤ یا جبر کے بغیر ہو اور رضاکارانہ خوش دلی سے ہو۔ سیدنا خالدؓ بن ولید کا مشہور واقعہ آپ جانتے ہیں کہ انھوں نے ایک شخص کو اقرارِ اسلام کرنے کے باوجود قتل کر دیا۔ آنحضورؐ نے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ تو تلوار کے خوف سے اسلام لایا تھا۔ حضورؐ نے کئی بار فرمایا: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا؟ پھر بار بار فرمایا: یا الٰہ: جو غلطی خالد نے کی ہے میں اس سے بری ہوں۔

اس واقعے سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ حضورؐ نے زبانی اقرارِ اسلام کو کافی سمجھا کیونکہ دل کا حال صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ زبانی اقرار کے بعد کسی کو اس وقت تک منافق نہیں کہا جا سکتا جب تک عمل سے منافقت واضح نہ ہو جائے۔

۲۔ اگر بزورِ شمشیر مسلمان بنانا جائز ہوتا تو حضرت خالد اسے قتل نہ کرتے بلکہ فخریہ کہتے کہ الحمدللہ آج میں نے ایک کافر کو زبردستی مسلمان کر لیا اور پھر حضورؐ بھی اس کارگزاری پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتے۔ مگر یہاں تو جناب خالد الٹا اسے قتل کرتے ہیں اور وجہ بھی یہ بتاتے ہیں کہ وہ تلوار کے ڈر سے اسلام لایا تھا۔

۳۔ سیدنا خالد کی غلط فہمی صرف یہ تھی کہ ایک اقرارِ اسلام کرنے والے کے بارے میں یہ خیال کر لیا کہ یہ تلوار کے خوف سے اسلام لایا ہے۔ حالانکہ دل کا حال وہ نہیں جان سکتے تھے۔ دوسری غلطی یہ تھی کہ اپنے اس مفروضے پر اسے واجب القتل بھی سمجھ لیا اور یہ انسانی خون کے احترام کے خلاف تھا۔ آنحضورؐ کی خفگی بھی اسی لیے تھی کہ جو انسان کسی واجب القتل جرم کا مرتکب نہ ہوا تھا اس کا خونِ ناحق کیوں بہایا گیا۔

غرض اس روایت سے بھی پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ اسلام قبول کرنا سراپا خوشی کا سودا ہے اور یہاں دباؤ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اسلام وہی اسلام ہے جو شرحِ صدر

اور رضا کارانہ خوش دلی کے ساتھ قبول کیا جائے۔

اگر کوئی شخص اسلام قبول کرکے پھر کفر اختیار کرلے تو اس کی سزا کیا ہوگی۔ اس کا جواب سورۂ آل عمران کی آیات ۸۶ تا ۹۰ میں موجود ہے۔ ان آیات کا خلاصہ یوں ہے:

ا۔ مرتدین پر خدا کی لعنت ہے۔

ب۔ ہاں اگر وہ توبہ و اصلاح کرلیں تو اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔

ج۔ اگر مرتدین کفر میں اضافہ کرتے جائیں تو ان کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

د۔ اگر اسی حالتِ کفر میں مرجائیں تو ان کا کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا۔

اگر مرتد کو قتل کرنا ضروری ہوتا تو یوں فرمایا جاتا کہ جو ایمان کے بعد کفر اختیار کرے وہ واجب القتل ہے۔ لیکن یہاں تو ایسے مرتد کو بھی واجب القتل نہیں قرار دیا گیا جس نے ایمان لاکر کفر اختیار کیا ہو اور پھر ایمان لاکر دوبارہ مرتد ہوگیا ہو۔ ایسوں کے لیے یہ بڑی سخت سزا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہ فرمائے گا اور نہ انھیں راہ دکھائے گا۔ ملاحظہ ہو سورہ نسا کی آیت: ۱۳۷۔

ان الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا۔

جو لوگ ایمان لائے پھر کفر اختیار کیا۔ پھر دوبارہ ایمان لائے۔ پھر دوبارہ کفر اختیار کیا پھر اس کفر میں اضافہ کرتے رہے تو اللہ نہ ان کی مغفرت فرمائے گا نہ انھیں راستہ دکھائے گا۔

اگر ارتداد کا ارادہ رکھنے والے کو یہ خوف ہو کہ وہ قتل کردیا جائے گا اور وہ اس ڈر سے ظاہری مسلمان بنا رہے تو یہ منافقت ہوگی۔ ایمان نہ ہوگا اور لا اکراہ فی الدین کا قائل دین اس دباؤ اور منافقت کو پسند نہیں کرسکتا۔

البتہ ہماری تاریخ میں قتل مرتد کی کوئی نظیر ملتی ہے تو وہ ہرگز ارتداد (تبدیل دین) کی سزا نہیں بلکہ وہ بغاوت کی سزا ہے۔ بغاوت سے مراد ہے اسلام اور اہل اسلام کو چھوڑ کر محارب دشمن کی صف میں شامل ہوجانا۔ اور بغاوت تو وہ جرم ہے کہ جو کوئی بھی کرے وہ واجب القتل ہوگا۔

اس سلسلے میں ایک تاریخی حقیقت اور بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ دنیا کی کسی اسلامی حکومت میں کبھی کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا گیا۔ ورنہ جوز بر دست اقتدار مسلمان فرماں رواؤں کو حاصل رہا ہے اسے کام میں لانے کے بعد کسی اسلامی ملک میں کوئی غیر مسلم نہ باقی رہتا۔

اور سب سے بڑا نکتہ تو یہ ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہوتا تو اس سوال کا کیا جواب ہے کہ ان شمشیرزن مجاہدوں کو کس شمشیر نے مسلمان کیا تھا؟

اب سوال یہ ہے کہ جب دین میں کوئی جبر و اکراہ ہے ہی نہیں تو یہ غزوات و سرایا، یہ جہاد و قتال، یہ دار و گیر اور یہ حدود و تعزیرات کس کھاتے میں ڈالے جائیں گی؟ اگر یہ مقدس دینی فریضہ ہے اور یقیناً ہے تو اسے دینی جبر و اکراہ نہ کیا جائے تو اور کیا کہا جائے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ فوجی قوت کو تیار رکھنے کا حکم کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے نہیں بلکہ اس کے تین اہم مقاصد ہیں۔

۱۔ بیرونی حملوں کا سد باب

۲۔ اندرونی خلفشار کی روک تھام

۳۔ استحصال کا خاتمہ

پہلے اور دوسرے مقصد پر گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے ضروری ہونے سے آج کسی کو بھی مجال انکار نہیں۔ رہا تیسرا مقصد تو اس کی تھوڑی تشریح سن لیجیے۔

اسلام صرف نماز روزے اور پوجا پاٹ کا مذہب نہیں۔ اس کا اصل مشن ہے انسانی بھلائی۔ اس لیے وہ ہر شہری کی جان، مال، آبرو، مذہب اور معبد کا محافظ ہے۔ ان پانچوں چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی نقصان پہنچے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو تو وہ عین استحصال ہے استغلال ہے جسے قرآنی اصطلاح میں فساد فی الارض اور موجودہ دور میں EXPLOILATION کہتے ہیں یہی وہ انسانیت کش برائی ہے جسے ختم کرنا اسلام اپنا اوّلین فرض سمجھتا ہے۔ اگر وہ ظلم و استحصال کو دور نہ کرے تو اس کے آنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ یہ استحصال خواہ کسی قوت کی طرف سے ہو یا کسی اندرونی سازش کا نتیجہ ہو۔ پھر یہ فساد خواہ کوئی مسلمان کرے یا کوئی غیر مسلم اس کا ارتکاب کرے، بہرصورت اسے ختم کرنا اوّلین فریضۂ اسلامی ہے۔ اگر یہ فرض پورا نہ

کیا جائے تو اسلام ایک ایسا بے جان و بے مصرف دھرم بن کر رہ جاتا ہے جس کا تعلق صرف پوجا پاٹ کی چند رسموں سے تو ہوتا ہے۔ لیکن اہم معاشرتی مسائل سے نہیں ہوتا۔

ایک اسلامی حکومت میں جو غیر مسلم رہتے ہیں وہ شوق سے حیوانات، نباتات اور جمادات کی پرستش کریں، بتوں کی پوجا کریں، صلیب کا جلوس نکالیں، اپنے طرز کی عبادت کریں۔ خورد و نوش اور شادی بیاہ میں اپنے مذہب کے مطابق حلال و حرام کا تعین اور پابندی کریں، کچھ بھی کریں، اسلام اس میں کوئی دخل نہیں دیتا اور ان میں سے کسی چیز سے روکنے کے لیے کوئی قوت نہیں استعمال کرتا بلکہ ان کی حفاظت کا ذمے دار ہونے کی رعایت سے انھیں ذمی قرار دیتا ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسلام ان کے شہری حقوق، مذہبی آزادی اور عناصر خمسہ (جان و مال و آبرو و مذہب و معبد) کے تحفظ کا ذمہ لیتا ہے۔ اس تحفظ کو جو مجروح کرے اس کی نظروں میں وہ یقیناً استحصال ہے اور وہ اسے ہر ممکن ذریعے سے ختم کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

آپ اسلامی معروفات و منکرات یا اوامر و نواہی پر غور کریں تو ایک ہی نتیجے پر پہنچیں گے کہ اسلام انھی چیزوں سے روکتا ہے جو کسی کی جان، مال، آبرو، مذہب یا معبد کو نقصان پہنچا سکتی ہیں اور انھی باتوں کا حکم دیتا ہے جو انسانی معاشرے کے لیے مفید ہوں۔ ہر نقصان رساں بات اسلام کی نظر میں فساد یا استحصال ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ ہر استحصال کو ختم کرنے کے لیے مواعظ و تفہیم کو اسلام اولیت دیتا ہے، لیکن اگر اس سے کام نہ چلے تو آخری چارۂ کار کے طور پر شمشیر سے کام لینا بھی اسلام کا اہم فریضہ ہے۔ کیا فائدہ ایسے دین و مذہب کا کہ عبادت گاہ کی چند مربع گز زمین پر تو خدا کا ذکر ہو رہا ہے اور اس چار دیواری سے باہر لاکھوں مربع میل میں فساد و استحصال کا بازار گرم ہو اور خود یہ عبادت گزار حضرات باہر نکلیں تو طوعاً و کرہاً اسی استحصال کے کل پرزے بن جائیں۔ ربا (سود خوری)، رشوت، ناپ تول میں کمی، چور بازاری، گراں فروشی، ملاوٹ، احتکار، سمگلنگ، دھوکا، سرمایہ داری، اٹکل پچو تجارت جیسی بے راہ روی، چوری، ڈاکہ، جوا، مساوات کش طبقاتی تفاوت وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کے سب وہ افعال ہیں جن سے کسی نہ کسی کا استحصال ضرور ہوتا ہے اور اس کی روک تھام اسلام کا اولین فریضہ ہے اور اسی فرض کے لیے شمشیر کا استعمال آخری چارۂ کار ہے۔

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد